اسلام میں معاشی مسئلہ کا اخلاقی حل

قسط ۲

سوشلزم اور سرمایہ داری نظام کے فساد کا اصل سبب

معاشی مسائل و مشکلات کا اسلامی اور اخلاقی حل یہ معلوم ہوا کہ دنیا کی فانی اور عارضی زندگی کو آخرت کی غیر فانی اور ابدی زندگی کے تابع رکھا جائے۔

"معاش" اسطرح "معاد" کے ساتھ جوڑ دینے اور بالکلیہ اس کے تابع اور ماتحت کر دینے کی صورت میں معاشی مسائل و مشکلات اس معنی میں اور اس حد تک سرے سے مسائل و مشکلات ہی نہیں رہتے جس معنی میں اور جس حد تک "غیر معادی" معاشیات نے ان کو سمجھ اور بنا رکھا ہے۔

معاشی حل کے دو خالص روحانی عنصر ۱۔ جو حقیقی رزق رساں ہے اور رزق رسانی کی اسباب اور بغیر اسباب، تدبیر اور بغیر تدبیر، ہر طرح پوری قوت و قدرت رکھتا ہے، اسکی رزاقیت یا رزاقی ضمانت پر اعتماد و اطمینان کرنا۔

۲۔ اس اطمینان و اعتماد کے باوجود اگر انفرادی یا اجتماعی طور پر "معاش" کی کوئی وقتی طور پر تنگی ترشی یا مشکل پیش آئے تو اس کو "معاد" یعنی آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلہ میں نہ صرف حقیر و بے بساط بلکہ بصیر بالعباد کی بندہ پروری کی عین حکمت و مصلحت پر مبنی جاننا۔

دو تدبیری حل معاش کے مقابلہ میں معاد کے ابدی فوز و فلاح کی اہمیت اور خدا کیطرف سے رزقی ضمانت کے اس دوگونہ روحانی حل ہی پر مبنی اب دو تدبیری حل بھی لیجئے۔

۱۔ ہزار تدبیروں کی ایک تدبیر اور سارے معاشی وسائل و اسباب سے بڑا وسیلہ اور سبب خود مسبب الاسباب (خدا تعالیٰ) کی رضا جوئی و خوشنودی کی فکر و سعی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ اسی فکر و سعی کا نام قرآن مجید کی زبان میں تقویٰ یعنی پرہیزگاری کی زندگی ہے۔ اور اسی خدا پرستانہ سعی اور تدبیر

پر رزق و معاش کی وسعت اور خوشحالی کا وعدہ ہے، انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولو ان اھل القریٰ امنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض ولکن کذبوا فاخذنٰھم بما کانوا یکسبون۔ اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری (اختیار) کرتے تو ہم (بجائے ارضی و سماوی آفات کے) ان پر آسمان اور زمین کی نعمتوں (کے دروازے) کھول دیتے (یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے پیداوار ان کو کثرت کے ساتھ عطا فرماتے) لیکن انہوں نے (ایسا نہیں کیا) بلکہ جھٹلایا تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی بدولت انہیں پکڑ لیا۔

مطلب یہ کہ اگر یہ لوگ کفر و تکذیب اور نافرمانی سے بجائے تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان کو آسمانی اور زمینی نعمتوں سے مالامال کر کے معاشی وسعت اور خوشحالی سے ہمکنار کر دیتے۔ مگر انہوں نے راہ تکذیب اختیار کی تو وہ عذاب الٰہی میں گرفتار کر لئے گئے۔

معلوم ہوا کہ معاشی خوشحالی اور وسعت رزق میں طاعت الٰہی اور پرہیزگاری کے اختیار کرنے کو بھی بڑا دخل ہے، اسی طرح معاشی زندگی اور دنیوی نعمتوں سے محرومی میں بھی خداتعالیٰ کی نافرمانی اثر انداز ہوتی ہے۔

خداتعالیٰ کا ارشاد ہے: وضرب اللہ مثلاً قریۃ کانت امنۃ مطمئنۃ یاتیھا رزقھا رغدا من کل مکان فکفرت بانعم اللہ فاذاقھا اللہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یصنعون۔ اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ بے خطرہ اور اطمینان میں تھے۔ (یعنی نہ تو ان کو باہر سے دشمن کا کھٹکا تھا نہ اندر سے کسی طرح کی فکر و تشویش تھی۔ خوب امن و چین سے زندگی گذرتی تھی۔) ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت کے ساتھ ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں۔ (یعنی کھانے کیلئے غلے اور پھل وغیرہ کھنچے چلے آتے تھے۔ ہر چیز کی افراط تھی، گھر بیٹھے دنیا کی نعمتیں ملتی تھیں۔) سو (بجائے اس کے کہ اس حالت میں منعم حقیقی کا احسان مانتے اور اسکی اطاعت کرتے) انہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی (یعنی خدا کے ساتھ شرک و کفر کیا) اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کی بدولت ایک محیط قحط اور خوف کا مزا چکھایا۔ (کہ عام قحط میں ان کو مبتلا کر کے رزق طلب اور فراخ روزی کی جگہ بھوک نے اور امن و چین کی جگہ خوف و ہراس نے ان کو اس طرح گھیر لیا جیسے کپڑا پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے، ایک دم کیلئے بھوک اور ڈر ان سے جدا نہ ہوتا تھا۔)

۲۔ اس کے ساتھ ہی اس معاشی مصیبت کا دوسرا تدبیری حل یہ بتلایا گیا ہے کہ زندگی کے دوسرے

شعبوں کی طرح رزق و معاش کے معاملات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم پر عمل کیا جائے، یعنی ان کے ذریعہ حصول رزق یا کسب معاش کے جو حلال اور پاکیزہ ذرائع تعلیم کئے گئے ہیں صرف ان کو ہی اختیار کیا جائے، اور ان جائز ذرائع سے جو کچھ ملے اس کو اللہ کی نعمت سمجھ کر اس پر شکر کے ساتھ قناعت کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ "انسان کو آسودگی اس وقت نصیب ہو سکتی ہے جبکہ پیٹ و روٹی کے سوال کے ساتھ" قناعت "کا مسئلہ بھی سمجھایا جائے اور دنیا کو بتایا جائے کہ اس سوال کا اصل حل اپنے اندر قناعت کا جذبہ پیدا کرنا ہے اور یہ کہ کھانا زندگی کی بقا کیلئے ہے۔ زندگی کھانے کیلئے نہیں ہے اس لئے "پیٹ" کو اتنی اہمیت ہرگز نہیں دینی چاہیئے جس سے دل کا سکون و اطمینان برباد ہو جائے اور دنیا کے امن و امان کی مٹی پلید ہو جائے۔ لالچ جب تک دور نہیں ہو جاتا اس وقت تک مال و دولت کی کثرت بھی کارگر نہیں ہوتی۔ حرص کی بیماری اگر باقی ہے تو پھر یہ انسان کو کسی کروٹ بھی چین لینے نہیں دے سکتی۔ حریص انسان سونا چاہے گا مگر اس کو اطمینان بھری نیند میسر نہیں آسکتی۔ لالچی آدمی کھائے گا مگر اسے آسودگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ حرص و آز کا بندہ خزانہ گن گن کر رکھے گا مگر پھر بھی صبر و اعتماد نصیب نہ ہو گا۔

اسلام نے اسکی کوشش کی ہے کہ انسان قناعت سے کام لے، پیٹ کو اتنی اہمیت نہ دے کہ سارے فتنوں کا سرچشمہ ہی بن جائے، جب تک یہ دولت قناعت حاصل نہیں ہوتی، مادی دولت کے ذریعہ انسان کو افکار کے ہجوم سے نجات نہیں مل سکتی، اور نہ اس کو دل کا اطمینان و سکون میسر آسکتا ہے ۔۔۔ ضرورت ہے کہ اسلام کی اس تعلیم کو عالمگیر کیا جائے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی تلقین کی جائے۔ کیونکہ آج سرمایہ داروں نے ضرورت سے زیادہ دولت کو اپنے پاس روک کر غریبوں کو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے، اور دنیا کے غریب و مزدور خونی انقلاب کی جدوجہد میں مصروف ہیں ۔۔۔ مالداروں اور سرمایہ داروں کی یہ ہوس کہ دنیا کی ساری دولت ہمارے گھروں میں آجائے اور غریبوں کا یہ جذبہ کہ ان کا مطالبہ خوراک دن بدن بڑھتا ہی چلا جائے دونوں صورتیں حرص و لالچ کی پیداوار اور اسلام کی تعلیم قناعت کے خلاف ہیں۔

افراط و تفریط سے علیحدہ ہو کر جب تک انسان اعتدال کی راہ اختیار نہیں کرتا اور دولتمند و اور غریبوں سب میں اسلام کی تعلیم کردہ قناعت کے ذریعہ یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا کہ اپنی ہر ضرورت کو کم سے کم دولت میں پوری کرنے لگیں اور امیر و غریب ہر شخص اپنی اس خواہش کو ترک نہ کر دے

کہ دنیا کی ساری دولت سمٹ کر میرے ہی گھر آجائے، اس وقت تک دنیا کا امن و امان اور سکون و اطمینان پلٹ نہیں سکتا۔

موجودہ دنیا کے اکثر و بیشتر فتنے اسی لئے برپا ہیں کہ انسانوں میں حرص و لالچ بڑھتا جا رہا ہے۔ اور دنیا کی دولت پر لوگ جان دینے لگے ہیں۔ مگر افسوس کوئی لیڈر نہیں جو اس مرض کا علاج کرے اور لوگوں کی ذہنی اصلاح کرکے ان کو قناعت کا سبق دے اور ان سے یہ کہے کہ آخر پیٹ ہی کا سوال اتنا اہم کیوں ہے، تم قناعت کی تعلیم کیوں نہیں حاصل کرتے۔

یہ بات اسی وقت کوئی شخص کہہ سکتا ہے جب ہم "معاشیات" میں بھی "مارکس" وغیرہ کے نظریات کو اپنانے کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات و تعلیمات کی فرمانبرداری اور اطاعت کو اپنا شعار بنا لینے پر آمادہ اور تیار ہو جائیں۔

آجکل معاشی مسئلہ کے حل کرنے کیلئے معاشی اونچ نیچ کے مٹانے، اور معاشی مساوات کے نئے نعرے جس طرح سامنے آ رہے ہیں، انہوں نے بجائے اصلاح احوال کے خود ایک فتنہ کی شکل اختیار کر لی ہے، حالانکہ اس عدم مساوات اور نابرابری کا مٹا دینا نہ صرف یہ کہ تکوینی مصالح اور تمدنی ضروریات کو نظر انداز کرنا۔ اور اس وجہ سے ناقابلِ عمل اور غیر ممکن ہے۔ بلکہ اسلامی معاشیات اور خدائی معیشت کے بھی بالکل خلاف ہے کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند۔

ایک شبہ کا ازالہ | بعض لوگوں کو اسلام کے اس اصول سے کہ اس نے حق معیشت میں سب کو برابر رکھا ہے، یہ شبہ ہو گیا کہ اسلام نے بھی معاشی مساوات کو تسلیم کر لیا ہے، اس شبہ کے ازالہ کیلئے مناسب معلوم ہوا کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مرحوم کی تصنیف "اسلام کا اقتصادی نظام" کے چند ضروری اقتباسات پیش کر دیئے جائیں:

مولانا فرماتے ہیں: "اسلام اس فطری نظام کا حامی ہے جو نہ ایسی مساوات کو تسلیم کرتا ہے۔ جس میں تمام انسان بغیر کسی فرق کے اپنی معاشی زندگی میں بالکل مساوی ہوں اور ان کے درمیان مالی درجات کا ادنیٰ سا بھی تفاوت نہ پایا جاتا ہو، اور نہ ایسے ظالمانہ تفاوت کا قائل ہے جس میں غربت و امارت کا امتیاز اس طرح قائم ہو جائے کہ غریب نانِ شبینہ کو محتاج رہے اور امیر دولت قارون کا مالک بن جائے۔ صفحہ ۲۵۹"

درجات معیشت | اور فرماتے ہیں: "اگرچہ حق معیشت میں سب مساوی ہیں، لیکن درجات معیشت میں مساوی نہیں ہیں، اور معیشت میں درجات کا تفاوت ایک حد تک

نظری ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ سب کیلئے سامانِ معیشت ایک ہی طرح کا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ہو سب کیلئے مگر درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم رہے کہ کسی حال میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے۔ یعنی تفاوتِ درجات تو ہو لیکن نہ ایسا کہ "معیشت" انسانوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسروں کے فقر و افلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے۔ صـ۴۹

اور لکھتے ہیں: اسلامی حقِ معیشت کی مساوات کو تو تسلیم کرتا بلکہ ضروری قرار دیتا ہے۔ لیکن مدارجِ معیشت میں مساوات کا قائل نہیں ہے۔ یعنی وہ اسکو نہیں مانتا کہ یہ ضروری ہے کہ سب کو ایک ہی طرح ہر سامانِ معیشت حاصل ہو، لیکن یہ ضروری سمجھتا ہے کہ سب کو ملے اور جد و جہد اور ترقی کی راہیں یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائیں۔ اس کے برعکس سوشلزم حقِ معیشت کی مساوات کے ساتھ نفسِ معیشت کی بھی مساوات کا قائل ہے، اور مدارجِ معیشت کا قطعاً انکار کرتا ہے۔" صـ۴۸۹

اور فرماتے ہیں: "اسلام نے حقِ معیشت کی مساوات کو تسلیم کیا اور سعی و ترقی کی راہیں سب کیلئے یکساں طور پر کھلی رکھیں۔ صـ۴۹۱

ان اقتباسات سے یہ واضح ہو کہ مذکورہ شبہ بالکلیہ زائل ہو جاتا ہے کہ اسلام نے جس "حقِ معیشت" میں برابری اور مساوات تسلیم کی ہے۔ اس سے مراد "معاشی مساوات" یا معیشت میں برابری نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ سعی اور ترقی کی راہیں سب کے لئے یکساں طور پر کھلی رہیں، اور ہر شخص کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ ذرائع آمدنی کو استعمال کر کے اپنی معیشت میں ترقی کر سکے، نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح سعی اور ترقی کی راہوں کو کسی خاص طبقہ کے اندر مخصوص اور منحصر کر کے دوسرے طبقات کو معیشت میں ترقی کرنے اور بڑھنے سے روکا جائے، اور نہ ہی اشتراکی نظام کی طرح دوسروں کی سعی اور محنت سے حاصل شدہ مال و دولت کو حکومت کی ملکیت یا ذرائع آمدنی پر حکومت کا حق قرار دیا جائے۔ اس لئے کہ اس کا نتیجہ بھی افرادِ ملک کے حق میں یہی نکلتا ہے۔ کہ ان کو معیشت میں ترقی کرنے اور بڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔ اور ترقی کی راہوں کو ان کے لئے مسدود کر دیا گیا۔ اور اسطرح گویا ان کو اس حقِ معیشت سے محروم کر دیا گیا۔ جس میں اسلام نے تمام باشندگانِ ملک کے لئے افراد ہوں یا حکومت، مساوات اور برابری تسلیم کی ہے۔

دوسری بات ان اقتباسات سے یہ واضح ہو رہی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح "سوشلزم"

بھی اسلامی معاشیات کے مخالف اور اس کے برعکس ہے۔

آگے چل کر مولانا نے سوشلزم کے بنیادی اصولوں، انفرادی ملکیت کی نفی اور بلحاظ معیشت مساوات کے اصل محرکات کی نشاندہی کرتے ہوئے بڑی وضاحت اور صفائی کے ساتھ بتلایا ہے کہ ان اصولوں کی بنیاد مذہبی گروہ کے مقابلہ میں صرف انتقامانہ جذبات پر رکھی گئی ہے اور عملی تجربہ نیز عقلی دلائل کی رو سے یہ ہر دو اصول غلط راہ حق سے منحرف اور اعتدال کے بالکل خلاف ہیں۔

مولانا کی عبارت یہ ہے: ان تفصیلات کے ساتھ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سوشلزم کے مسطورہ بالا ہر دو اصول دراصل اس نظام اور سوسائٹی بلکہ اس مذہبی گروہ کے مقابلہ میں انتقامانہ جذبات کے تحت اصول قرار پائے ہیں، جس کے ظالمانہ اصول سے متاثر ہو کر کارل مارکس اور انگلز نے اپنے نظریوں اور ان کے ماتحت عملی سرگرمیوں کا اختراع کیا، ورنہ یہ ہر دو اصول نہ عملی تجربہ کی خراد پر ٹھیک اترتے ہیں۔ اور نہ عقلی دلائل کی روشنی میں صحیح نظر آتے ہیں۔ اور اس لئے راہ حق کے قطعاً خلاف اور اعتدال کے منافی ہیں۔" ص ۳۹۲

سرمایہ داری نظام کے ظالمانہ ماحول سے متاثر ہو کر جن لوگوں نے یہ انتقامی اصول مقرر کئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان اصولوں کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح کے خواہاں نہیں تھے۔ بلکہ وہ اس طرح صرف سرمایہ داروں سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ اگر وہ معاشرہ کی اصلاح کے خواہاں ہوتے تو وہ ایسے اصولوں کا اختراع کیوں کرتے جو محض انتقامی اور جذباتی ہیں، نہ تو عقلی دلائل کی روشنی میں صحیح ہیں، اور نہ ہی عملی تجربہ کی خراد پر ٹھیک اترتے ہیں۔ کیا ایسے جذباتی ناقابل عمل اصولوں کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔؟

معاشی نظام کے فساد کا سبب سرمایہ داری نظام کے فساد کا اصل سبب انفرادی ملکیت نہیں ہے جسکی اصلاح سوشلزم کے اصول نفی ملکیت کے ذریعہ کی جا سکے۔ بلکہ اس فساد کا باعث اس حق ملکیت کا آزادانہ اور مطلق العنانہ غیر معتدل استعمال ہے۔ جیسا کہ مولانا نے بھی لکھا ہے: "اسلام کی نظر میں زمین یا ذرائع پیداوار کا انفرادی ملکیت ہونا دراصل معاشی نظام کے فساد کا باعث نہیں ہے بلکہ اس میں اعتدال و توازن کا فقدان راہ فساد کھولتا ہے۔" ص ۲۲۵

اور اس کا علاج یہ نہیں کہ انفرادی ملکیت کی ہی نفی کر دی جائے جیسا کہ سوشلزم نے یہ علاج تجویز کیا ہے بلکہ اس کا صحیح اسلامی علاج یہ ہے کہ ذرائع پیداوار اور حق معیشت میں مساوات تسلیم

کی جائے اور سعی و ترقی کی راہیں ہر فرد اور ہر طبقہ کے لئے کھلی رکھی جائیں اور حق ملکیت کے حاصل کرنے کیلئے پابندیاں اور حاصل شدہ ملکیت پر حقوق و فرائض عائد کرکے ناجائز اکتناز و احتکار کی راہوں کو مسدود کر دیا جائے اور ان طریقوں پر پہرے بٹھلا دیئے جائیں جن کے ذریعہ ناجائز مال و دولت کا اکتساب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا مرحوم نے تحریر فرمایا ہے: "اس نے (اسلام نے) قانون سازی کے ذریعہ زکوٰۃ اور وراثت اور بعض تجارتی اصول کو لازم قرار دے کر اور سود اور قمار (جوے) اور اسی قسم کے تمام کاروبار کو ناجائز بتا کر اکتناز و احتکار کو فنا کر دیا اور تمام ایسی معتدل راہوں کا سد باب کر دیا جو ظالمانہ سرمایہ داری کا موجب بنتی ہیں۔ صفحہ ۳۹۱

معلوم ہوا کہ سوشلزم نے معاشی نظام کے فساد کا جو سبب، انفرادی ملکیت کو بتلایا ہے۔ اور اسی طرح اس کا جو علاج انفرادی ملکیت کی نفی سے تجویز کیا ہے یہ دونوں باتیں غلط اور غیر واقعی ہیں۔ سوشلزم نہ تو سرمایہ داری نظام کے فساد کے اصل سبب کی صحیح تشخیص کر سکا اور نہ ہی اس نے اس فساد کا صحیح علاج تجویز کیا۔ اس بنیادی اور اصولی اختلاف بلکہ تضاد کے ہوتے ہوئے جو لوگ اسلامی معاشیات اور سوشلزم کے درمیان مصالحت یا اتحاد کیلئے کوشاں ہیں اور وہ دونوں کا ایک ہی مقصد بتلاتے ہیں۔ ان کو اس اصولی اختلاف کی روشنی میں اپنی رائے پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ سوشلزم کا اصلاح معاشرہ یا مساوات بظاہر ایک خوشنما اور دلفریب دعویٰ ہے مگر درحقیقت یہ ایک ناقابل فہم اور غیر ممکن العمل محض جذباتی اور انتقامی نعرہ ہے، جو کسی گہرے غور و فکر اور سوچ و تدبیر کا نتیجہ نہیں بلکہ محض انتقامی جذبہ اور خالص اشتعال انگیزی کی پیداوار ہے۔

اسلامی معاشیات میں جبری تقسیم دولت کی ضرورت ہی نہیں۔ جب اسلام کی تعلیم کا یہ بنیادی اصول مسلمان کے پیش نظر ہوگا کہ دنیا اور اسکی ہر چیز فانی اور عارضی ہے۔ اس لئے معاد یعنی آخرت کے مقابلہ میں معاش اور دنیوی مال و متاع کی قدر و قیمت اس کی نظر میں ہیچ در ہیچ ہے تو پھر اس کے لئے کسب مال کے جائز ذرائع میں اپنی سعی و ترقی کو محدود رکھنا اور اسلامی حدود اور پابندیوں پر عمل کرنا دشوار نہیں رہے گا، اور جس قدر مال ان جائز ذرائع سے حاصل ہوگا، اس میں اسلام کے عائد کردہ لازمی اور غیر لازمی حقوق و فرائض، زکوٰۃ و عشر، نفلی صدقات، وقف، وصیت، قرض حسنہ وغیرہ کے ذریعہ حاجتمندوں کی ضرورتوں کے پورا کرتے رہنے سے بھی اس کا دل تنگ نہیں ہوگا بلکہ فراخدلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مال کے خرچ کرنے کو اپنے لئے سعادت ابدی سمجھتے ہوئے اس کے لئے برضا و رغبت بروقت تیار رہے گا۔

اب غور فرمایا جائے کہ جس اسلامی معاشی نظام میں حاجتمندوں اور حقداروں پر طرح طرح سے

خرچ کرنے کی اتنی تاکید و ترغیب ہو کہ معاشیات کسب کی بجائے اگر اسکو معاشیات انفاق کا نام دیدیا جائے تو بجا ہے۔ اس میں غیر اسلامی نظام معاش کی طرح مال و دولت کی جبری اور غیر اختیاری تقسیم کی ضرورت ہی کتنی رہ جاتی ہے۔

جبری تقسیم کا نتیجہ بلکہ اسلام کے اس اخلاقی اور روحانی اصول کی تعلیم و تبلیغ اور لوگوں کے دلوں میں دنیا کی حقارت و بے وقعتی کے پیدا کئے بغیر حکومت اور قانون کے جبر و زور کے ذریعہ تقسیم دولت سے تو لوگوں میں انفاق و عطا کی جگہ کسب و حرص مال کا مرض اور زور پکڑتا ہے، جس کا روز افزوں تماشا ہم خود پاکستان میں بھی دیکھتے رہتے ہیں۔ کہ جتنی زیادہ سرمایہ داروں، کارخانہ داروں وغیرہ کے منافع قانون و حکومت کے زور و جبر سے مزدوروں اور غریبوں تک پہنچانے کے لئے کوشش کی جاتی ہے اتنی ہی زیادہ نہ صرف یہ کہ رشوت ستانی اور چور بازاری ہی کی گرم بازاری بڑھتی جاتی ہے بلکہ طرح طرح کی چالاکیوں اور ہوشیاریوں سے نفع باز اسلئے مزدوروں اور غریبوں ہی کو زچ اور تنگ کرتے رہتے ہیں۔ مگر نفع بازی سے باز نہیں آتے اور ان جبری قوانین سے ان کی ہوس نفع بازی میں کچھ کمی نہیں آتی۔

اسلامی حکومت کے کرنے کا کام اس لئے اسلام کی دینی حکومتوں کا اصل کام تقسیم دولت کے لئے قدم قدم پر جبر و تشدد نہیں بلکہ شہریوں میں خدا تعالیٰ اور معاد، یعنی آخرت کے ایمان و یقین پر مبنی انفاقی ذہنیت کو پیدا کرنے اور اسکو ترقی دیتے رہنا ہے۔ ساتھ ہی ناجائز ذرائع آمدنی پر مضبوط کنٹرول کر کے، شراب خانو، چکلوں، سینما گھروں وغیرہ گوناگوں بدمعاشیوں اور فضول خرچیوں کے اڈوں کو بند کرنا ہے جو غیر اسلامی حکومتوں نے فواحش و منکرات کی گرم بازاری کی راہوں سے اپنی آمدنیاں بڑھانے کے لئے قائم کئے ہوئے ہیں۔

غرضیکہ اسلام میں معاشی مسئلہ ایک جزوی اور ثانوی حیثیت کا درجہ رکھتا ہے۔ اور معاد کے بالکلیہ تابع ہے۔ اس کو ایسی حیثیت اور اہمیت کا مقام حاصل نہیں ہے کہ تمام دینوی زندگی کے کاروبار کا اسکو محور بنالیا جائے اور مقصد زندگی اسی کو قرار دیدیا جائے۔ بلکہ اس عارضی اور فانی زندگی کے گذارنے اور بسر کرنے کیلئے عارضی اور فانی اسباب کے درجہ کی ایک گھٹیا اور حقیر چیز ہے۔ اسلام کی نگاہ میں اصل مسئلہ معاد اور عالم آخرت کا ہے۔ کیونکہ وہاں کی زندگی باقی اور ابدی ہے اور اسی کے لئے سامان مہیا کرنے کے واسطے انسان کو اس سرائے فانی میں بھیجا گیا ہے۔ اس لئے اسلام میں دینوی معاش کا مسئلہ سفر اور راہ کا مسئلہ ہے۔ منزل اور قرار گاہ کا مسئلہ نہیں ہے۔

اب سفر اور راہ کو ہی منزل اور مقصد سمجھ لینا اور اپنی تمام قوتوں اور توانائیوں کو اسی پر خرچ کر ڈالنا، اور اصل قرارگاہ سے بے فکری اور بے توجہی برتنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

اسی وجہ سے اسلام میں معاشی مسئلہ کو معادی مسئلہ کے تابع قرار دیا گیا ہے۔ اور خوف خدا اور آخرت کی دار و گیر اور حساب و کتاب کے فکر سے اس کا حل کیا گیا ہے۔ جب فکر آخرت اور اس کا محاسبہ پیش نظر ہوگا تو دنیا کے مال و متاع کے ساتھ اس قدر شغف و انہماک نہیں رہے گا جس کی وجہ سے انسان دنیا کی دولت کا حریص اور طالب ہو کر اس کے اکتساب و استحصال میں حرام و حلال، جائز و ناجائز کی حدود کو قائم نہیں رکھتا ۔۔۔ فکر آخرت سے انسان میں قناعت اور تھوڑے پر اکتفا کرنے کی خصلت پیدا ہو کر حرص دنیا کے مذموم رذیلہ کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنی معاش کے لئے جد و جہد اور سعی و محنت کو چھوڑ دے، اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے بلکہ منشاء یہ ہے کہ طلب معاش کی اس سعی و محنت میں خدا تعالیٰ کی رزاقی ضمانت پر پورا بھروسہ اور کامل اعتماد ہو، اور جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرے، اس فکر میں نہ گھلتا رہے کہ ہمارے پاس لاکھوں کی جائداد کیوں نہ ہوئی، یا دولت کمانے میں اس طرح مشغول نہ ہو جائے کہ جائز و ناجائز کی ساری بحث سے قطع نظر کرے اور ظلم و جور اور تعدی کو اپنا پیشہ بنائے۔

دنیا میں جبتک اسلام کے قانون قناعت کی اشاعت نہیں ہوتی، اور دنیا اس پر عمل نہیں کرتی معاشی مشکلات سے نجات نہیں مل سکتی۔ اس معاشی مسئلہ کا حل صرف قانون قناعت سے ہی ہو سکتا ہے۔

اور یہ قانون فلک ہیں اس وقت تک عام نہیں ہو سکتا اور دنیا اسکو قبول کر کے اس پر عمل نہیں کر سکتی جبتک دنیا کے صدر جمہوریہ، صدر مملکت، وزراء اعظم اور دوسرے سربرآوردہ قومی رہنما اپنی فضول خرچیوں عیش پرستیوں کو ترک کر کے قناعت پر عمل نہیں کرتے ۔۔۔ اب آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا خوف، آخرت کی فکر اور قناعت کی دولت سے بہرور اور مالا مال فرمائے۔ آمین۔

جامعہ مدنیہ لاہور کا سالانہ جلسہ

ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کا سالانہ جلسہ ۲۰، ۲۱، ۲۲ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۳، ۴، ۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو ہونا قرار پایا ہے، جس میں ممتاز اور مشاہیر علماء کرام شمولیت فرماویں گے۔ (محمد ظہور الحق ناظم جلسہ)